قسط ہفتم

آدھی صدی کا سفر

مکرم عرفان احمد خان صاحب۔ جرمنی

محترم نواب عباس احمد خان صاحب جرمنی میں

9 جولائی کو مکرم نواب عباس احمد خان صاحب اوران کی بیگم صاحبزادی امۃ الباری صاحبہ بنت حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مع دو بچگان اور مکرم چودھری ادریس نصراللہ صاحب دو کاروں پر پاکستان سے جرمنی تشریف لائے۔ مکرم ادریس نصراللہ صاحب کے ساتھ چار احمدی نوجوان مکرم حمید احمد صاحب بھلر، مکرم عطاء اللہ صاحب سیال، مکرم چودھری رشید احمد صاحب اور مکرم عبدالرشید صاحب جرمنی میں قیام کرنے کے لئے ہمسفر بنے تھے۔ ان میں سے چودھری حمید بھلر صاحب تو اب بھی جرمنی کے شہر Bad Soden میں رہائش رکھتے ہیں، مکرم عطاء اللہ صاحب سیال زمینداری تمدّن سے تعلق رکھتے تھے جلدی واپس چلے گئے۔ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ چودھری رشید صاحب کا ٹارگٹ امریکہ تھا جس میں خدا نے انہیں جلد کامیابی دی۔ عبدالرشید صاحب فرانس چلے گئے تھے اور اب بھی فرانس میں ہی رہائش رکھتے ہیں۔ مکرم نواب عباس احمد خان صاحب کے فرانکفرٹ میں قیام کے دوران روزانہ کی ملاقات اور ان کی شفقت کی بدولت ان سے قریبی تعلق قائم ہوگیا۔ نواب صاحب بیٹھ کر گفتگو کرنے کی بجائے ٹہلتے ٹہلتے گفتگو کرتے تھے۔ آپ نے اپنی والدہ محترمہ حضرت سیّدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے پُرشفقت وبابرکت وجود کے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے جن کو تربیت اولاد کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ نواب عباس خان صاحب سے بعد میں جب بھی ملاقات ہوئی ان کے اس فقرہ سے مجھے ڈھارس ملتی کہ مَیں روز تمہارے لئے دعا کرتا ہوں۔

انگلستان کا پہلا سفر

جولائی 1973ء کے آخری دنوں کی بات ہے کہ فرانکفرٹ یونیورسٹی کے ماہانہ رسالہ میں چھپنے والا یہ اعلان میری نظروں سے گزرا کہ ایک سپیشل چارٹر فلائٹ ایک سو مارک میں لندن جارہی ہے۔ ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ لندن تشریف لائے ہوئے تھے۔ مَیں نے اور شوکت پراچہ صاحب نے اس فلائٹ سے فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا۔ دونوں کے پاس ابھی صرف جرمن زبان سیکھنے کا ویزہ تھا۔ یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ کارڈ نہیں تھا۔ لیکن قدرت نے ہماری مدد کی اور ہم اس چارٹر فلائٹ کے مسافر بن گئے۔ یہ فلائٹ فرانکفرٹ ایئرپورٹ سے اڑ کر لندن کے لیوٹن ایئرپورٹ پر اُتری۔ امیگریشن حکام نے ہم دونوں کو لائن سے علیحدہ کر لیا اور اپنے دو آفیسرز کے حوالے کر دیا۔ دونوں کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی انٹرویو ہوا جس میں پاکستان سے روانگی کی وجوہات، جرمنی میں ہمارے ارادے اور لندن آنے کے مقاصد پر پے در پے سوالات ہوئے اور اس کے بعد دونوں کو دو کمروں میں بٹھا دیا گیا۔ دو گھنٹے کے وقفہ کے بعد نئے آفیسرز آ گئے اور یہ کہانی دوبارہ دُہرائی جانے لگی۔ جب شام ڈھلے یہ عمل تیسری بار دُہرایا جانے لگا تو شوکت پراچہ کی آواز سے مَیں نے اندازہ لگایا کہ پراچہ صاحب حساب چکانے پر آ گئے ہیں۔ اس دوران ہم نے اپنے سامان کی تلاشی بھی دی جس میں چار جوڑوں کے سوا کیا ہونا تھا۔ ہم دونوں کے درمیان کوئی رابطہ نہ تھا۔ امیگریشن کے ایک بندے نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کا ساتھی مزید کسی سوال کا جواب دینے کو تیار نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کو واپس جرمنی بھجوا دیا جائے۔ کیا تم بھی واپس جرمنی جانا چاہتے ہو۔ مَیں نے اس کو جواب میں کہا کہ جرمنی تو جانا ہی ہے لیکن برطانیہ میں داخل ہونے کے بعد۔ اس نے بتایا کہ ہم دونوں کے پاسپورٹ پر جرمنی کا جو ویزہ لگا ہے اس کو کنفرم کرنے کے لئے ہم نے ٹیلکس بھیجا ہوا ہے کنفرمیشن کا انتظار ہے۔ کنفرمیشن کے آتے ہی آپ دونوں کو اینٹری مل جائے گی۔ آپ کے ساتھی کو صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ جونہی کنفرمیشن آئی ہم دونوں کے پاسپورٹ پر اینٹری سٹیمپ لگائی گئی۔ گورے نے دس بار ہم سے معذرت کی۔ اس وقت رات کی ابتدا تھی لیکن لیوٹن ایئرپورٹ پر ہُو کا عالم تھا۔ امیگریشن حکام ہمیں کار میں بٹھا کر لیوٹن ریلوے اسٹیشن چھوڑ آئے کہ آپ یہاں سے کلیپن جنکشن چلے جائیں۔

کلیپن جنکشن تک کا سفر تو برطانیہ انٹری ویزا مل جانے کی خوشی میں گزرا گیا۔ کلیپن اترا تو موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ اور کلیپن جنکشن کا پورا اسٹیشن تالاب کا منظر پیش کر رہا تھا۔ جس بھی شیڈ کے نیچے کھڑے ہو جاؤ استقبالیہ بارش کی پھوار کی زد سے بچنا ممکن نہ تھا۔ اپنے میز بان کا انتظار میری مجبوری تھی اور میز بان کے آنے تک بارش نے لندن میں اترنے والے اجنبی مہمان سے سارے بدلے چکا لئے۔ گھر پہنچنے تک لندن کا حسین تصور دھندلا سا گیا تھا۔ نہ چاہنے کے باوجود ماحول سے ستائے مہمان کے منہ سے لندن کی مدح سرائی میں ایک دو فقرے ایسے نکل گئے جو میز بان کو اچھے نہ لگے۔ لندن میں قیام کا بقیہ احوال اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں۔

(باقی آئندہ، ان شاء اللہ)